ACADEMIA International Journal for Social Sciences
Volume 4, Issue 3, 2025 ISSN-L (Online): 3006-6638

The Prophetic ﷺ Principles of Social and Moral Reform: An Analytical Study in the Light of Ahadith

سماجی و اخلاقی اصلاح کے نبوی ﷺاصول: احادیث کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Iqra Naheed
rashidbajwa169@gmail.com
Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Sialkot

Dr. Raja Muhammad Zareef Khan
dr.zareefkhan@uskt.edu.pk
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Sialkot
Corresponding Author: * Iqra Naheed rashidbajwa169@gmail.com

Received: 20-07-2025 **Revised:** 26-08-2025 **Accepted:** 04-09-2025 **Published:** 18-09-2025

ABSTRACT

The purpose of this study is to analyze the Prophetic ﷺ principles of reform in the context of the corrupt social and moral practices of the pre-Islamic era, and to demonstrate how the Prophet ﷺ transformed a fragmented nation into a society based on justice, equality and human dignity. The research is conducted through a historical and analytical methodology. By examining classical and modern sources comparatively, the study highlights how the Qur'an and Sunnah established a comprehensive framework of reform through intellectual awakening, educational development, practical example, and moral training. The findings reveal that the Prophetic ﷺ principles of reform are founded upon three major pillars: knowledge, practice, and morality. Through these principles, the negative traits of the Age of Ignorance were redirected towards a constructive path, leading to the formation of an exemplary society. The study concludes that the Prophetic ﷺ principles of reform are not only of historical significance but also provide practical guidance for contemporary societies. This research addresses the limitations of previous studies and presents an integrated and comprehensive analysis that offers practical insights for the modern era.

Keywords: *Prophetic Principles, Moral Education, Societal Values, Analytical Framework.*

تمہید

انسانی معاشرت کی تاریخ گواہ ہے کہ سماجی اور اخلاقی اقدار کسی بھی تہذیب کی بقا و ارتقا میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ جب یہ اقدار کمزور ہو جائیں تو معاشرے میں انتشار، ظلم اور ناانصافی پروان چڑھتے ہیں عرب کاعہد جاہلیت اسی پہلو کی ایک واضح مثال ہے۔، جہاں بہادری اور فصاحت جیسے اوصاف موجود تھے مگر وہ مثبت سمت اختیار کرنے کے بجائے خونریزی، تعصب اور طاقت کے اظہار تک محدود تھے۔ اسی فکری و اخلاقی جمود نے اس معاشرے کو زوال کی انتہا تک پہنچا دیا۔

اسلام کی آمد نے اس زوال پذیر معاشرے کو ایک نئے فکری و اخلاقی شعور سے آشنا کیا۔ قرآن نے سب سے پہلے عقیدۂ توحید کو اساس بنایا، جس نے باطل معبودوں اور قبائلی تفاخر کے نظام کو منہدم کر کے فکر کو آزاد کیا۔ رسول اکرم ﷺنے اس فکری بیداری کو سماجی و اخلاقی سطح پر عملی صورت عطا کی اور علم، عمل اور حسنِ اخلاق کو انسانی تعمیر کا مرکزی اصول قرار دیا۔ اس تربیت کے نتیجے میں وہی افراد جو جاہلی عصبیت میں الجھے ہوئے تھے، ایک ایسے مثالی معاشرے کے معمار بنے جو عدل، مساوات اور انسانی وقار کی بنیاد پر استوار ہوا۔

زیرِ نظر تحقیق کا مقصد اسی تاریخی و فکری تناظر میں نبوی ﷺاصولِ اصلاح کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہے۔ یہ مطالعہ محض اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں، بلکہ اس امر کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺنے ان اصولوں کو کس طرح عملی زندگی میں نافذ کیا اور کس طرح ایک منتشر معاشرے کو تہذیبی و تمدنی قوت میں تبدیل کر دیا۔ مزیدیہ کہ یہ تحقیق سابقہ علمی کاوشوں

کا جائزہ لے کر اُن پہلوؤں کو نمایاں کرے گی جن میں تشنگی باقی ہے،یوں یہ کام نہ صرف سیرتِ نبوی ﷺکی روشنی میں سماجی و اخلاقی تشکیلِ نو کے اصولوں کو اجاگر کرتا ہے بلکہ عصرِ حاضر میں انسانی معاشروں کے لیے بھی ایک رہنما فکری اساس فراہم کرتا ہے، تاکہ یہ اصول محض ماضی کی علمی میراث نہ رہیں بلکہ موجودہ تناظر میں بھی عملیت کے ساتھ کارفرما ہوں۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

زیرِ نظر موضوع پر تحقیق کا سلسلہ ماضی میں بھی مختلف ادوار میں جاری رہا ہے اور متعدد اہلِ علم نے اس کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بعض محققین نے اسے تاریخی تناظر میں دیکھا، بعض نے سماجی و تہذیبی زاویوں سے اس پر روشنی ڈالی، جبکہ کچھ نے اس کے فکری و علمی اثرات کو اپنے مطالعے کا مرکز بنایا۔ ابتدائی دور کے محققین زیادہ تر بنیادی ماخذات اور روایتی بیانیوں پر انحصار کرتے رہے، جس کے نتیجے میں ان کی تحقیقات محدود اور ایک ہی زاویے کے دائرے میں رہیں۔ بعد ازاں جدید دور میں اس موضوع پر تحقیقی سرگرمیوں نے زیادہ تنوع اختیار کیا اور مختلف علمی مناہج کے تحت اسے پرکھنے کی کوشش کی گئی۔

تاہم اس تمام علمی کاوش کے باوجود کئی پہلو ایسے ہیں جن پر جزوی گفتگو کی گئی ہےجیسے" مکی دور نبوت اور مسلم اقلیت کافقہ السیرۃ کی روشنی میں سماجی مطالعہ"، "سماجی زندگی کی اصلاح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" اور "عہد نبوی ﷺمیں مدنی معاشرے کی سیاسی، سماجی اور معاشی اصلاحات کا تجزیاتی مطالعہ" پر کام ہوا ہے ۔ سابقہ تحقیقات کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ محققین نے عموماً ایک یا چند پہلوؤں کو اپنا مرکز بنایا، جیسے مخصوص اخلاقی اقدار، سماجی تنظیم یا سیاسی نظم و نسق، جبکہ ایک ہمہ گیر اور مربوط مطالعہ جو مختلف پہلوؤں کو یکجا کرے، کم ہی سامنے آیا ہے۔ اسی طرح بعض تحقیقات نے مخصوص معاشرتی حالات یا جزوی مسائل پر زیادہ زور دیا، لیکن براہ راست اس موضوع پر کام نہیں ہوا۔

موجودہ تحقیق اس موضوع کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش ہے۔ یہ تحقیق نہ صرف سابقہ علمی آرا کا جائزہ لے گی بلکہ اُن پہلوؤں کو بھی نمایاں کرے گی جن پر اب تک تحقیقی سطح پر کام نہیں ہوا ۔ یوں یہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک خلا پُر کرنے اور اس میدان میں نئے امکانات پیدا کرنے کی سعی ہے۔

عہدِ جاہلیت سے عہدِ اسلام تک

دین اسلام سے قبل عرب معاشرے کی حالت ایسی تھی کہ سیاسی و سماجی انتشار، معاشی ناہمواری، اور اخلاقی اقدار کی پستی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ تاریخ کی کتب سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرہ جسے ترقی یافتہ اقوام "جاہل" اور "کم تر" گردانتی تھیں، اپنی داخلی کمزوریوں اور انحطاط کا شکار تھا۔ اگرچہ شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی، غیرت و حمیت اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف موجود تھے، مگر ان کا مصرف تعمیری کے بجائے تخریبی تھا۔ نسل در نسل قبائلی جنگیں جاری رہتیں، کئی لڑائیاں محض معمولی باتوں پر چھڑ جاتیں جن کی نہ کوئی معقول وجہ ہوتی اور نہ کوئی مثبت مقصد۔جب ابتدائی مسلمان ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرب معاشرے کی اس پسماندگی اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اہمیت کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا:

"شاہا! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا، جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیزگاری سے ہم لوگ پہلے ہی واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں، اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں، سچ بولا کریں، امانت ادا کیا کریں، اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں، ہمسایوں سے نیک سلوک کریں، محارم اور خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نمازیں پڑھیں، صدقہ دیں، روزے رکھیں۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے، اللہ کی عبادت کرنے لگے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی، حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں اور خبائث کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہمارے فرائضِ مذہبی کی بجا آوری میں سد راہ ہو گئے، تو ہم آپ کے ملک میں، آپ کی پناہ میں آ گئے۔ ہمیں یہ امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"[1]

[1] نور بخش توکلی، پروفیسر، علامہ، سیرت رسول عربیﷺ، کتب خانہ امام احمد رضا؛ دربار مارکٹ لاہور، ص: 62-63

کردار سازی اور اخلاقی تربیت کے فقدان نے سماج کو اس حد تک متاثر کیا کہ شجاعت و بہادری صرف قتل و غارت گری میں ظاہر ہوتی، فصاحت و بلاغت قبائلی قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز فخریہ اشعار میں صرف ہو جاتی، اور سخاوت و فیاضی بھی دکھاوے یا قبائلی برتری کے حصول کا ذریعہ بن جاتی۔ الغرض، عربوں کے سامنے زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد نہ تھا۔ بت پرستی اور شرک نے ان کی فکری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا تھا اور وہ روحانی و اخلاقی ترقی سے محروم تھے۔

تبلیغ اسلام کے ذریعے اہلِ عرب کی سب سے بڑی کمزوری یعنی کفر و شرک اور بت پرستی کو اسلام کی ابتدائی دعوت نے اولین ہدفِ اصلاح بنایا گیا۔ قرآنِ مجید نے معبودانِ باطلہ کی مکمل نفی کرتے ہوئے توحید کو ایمان کی اساس قرار دیا اور یوں اہلِ عرب کے فکری جمود کو توڑ کر ان میں فکری بیداری پیدا کی۔ پیغمبر اکرم ﷺنے ان کی موجودہ خصوصیات جیسے شجاعت و بہادری کو منفی استعمال سے ہٹا کر اِعلاءِ کلمۃ الحق کے مقصد کے لیے استعمال کرنے کی تربیت دی۔ اسی طرح سماجی و اخلاقی انحطاط کو قرآن کے انقلاب انگیز اصولوں کے ذریعے اوصافِ حمیدہ میں ڈھالا گیا اور اہلِ عرب میں ایک تعمیری جذبہ بیدار ہوا جس نے بعد میں عالمی سطح پر اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔

یہ آپ ﷺکی اصلاحی حکمتِ عملی اور کردار سازی کا معجزہ تھا کہ دورِ جاہلیت کے عام افراد بھی اخلاقی تربیت کے ذریعے ایسی نمایاں اور امتیازی حیثیت اختیار کر گئے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد وقت کے جلیل القدر صحابہ بنے۔ انہی میں سے بعض عظیم اسلامی ریاست کے مدبر حکمراں، جان نثار مجاہد اور بے مثال اخلاق و کردار کے حامل قائدین کے طور پر ابھرے۔ گویا نبی کریم ﷺنے فرد کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور ان کی اخلاقی تربیت اس طرح کی کہ وہ دنیا کے سامنے بہترین نمونہ بن گئے ۔

درحقیقت، انسان کو حقیقی معنوں میں انسان بنانے، اس کی فکری و اخلاقی تربیت کے لیے اور اسے مقامِ آدمیت تک پہنچانے کے لیے کسی کامل و اکمل نمونہ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے یہ نمونہ حضرت محمد ﷺکی ذاتِ مبارکہ کی صورت میں مہیا فرمایا۔ آپ ﷺکو قیامت تک کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا، اور آپ کی سیرت کا ہر گوشہ انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺکو اختیار کیے بغیر انسان نہ اپنی سماجی و اخلاقی تشکیل کر سکتا ہے، نہ صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی خالقِ کائنات کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد رب العالمین ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[2]

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہﷺکی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے"

انسانوں کے لئے جب آپﷺکی حیات مبارکہ کو نمونہ اور اسوہ بنادیا گیا تو اب اسے سامنے رکھ کر زندگی گزار نا اور اخلاقی تشکیل کی مکمل کوشش کرنا ہر ایک کے لئے ضروری و لازمی ہوجاتا ہے۔ اس کے بغیر انسانیت کی کامیابی کا تصور محال اور معاشرہ کی درستگی کا عمل ادھورا رہ جاتا ہے۔سیرت نبویﷺسے انسانیت کی تعمیر کے لئے اجمالی طور پر تین چیز یں ضروری ہیں، بعض اہل علم نے انہیں سیرت نبویﷺکا خلاصہ اور نچوڑ بتایا ہے۔ آپﷺنے اپنی سیرت وحیات کے ذریعہ انسانیت کی جس انداز سے عملی تربیت فرمائی ہے اور اسے سنوار کر جس مقام تک پہنچایا ہے تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہ تو اس سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد ملے گی۔ آپﷺکی سیرت طیبہ پوری انسانی زندگی کے لئے کافی ہے، انسانی زندگی کاکوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں آپﷺکی سیرت انسانیت کی رہنمائی کرتی نظر نہ آتی ہو، علم، عقائد، عبادت، تجارت، سیاحت، قیادت، حکومت، عدالت، میدان کارساز، خلوت، جلوت غر ض ہر موڑ پر آپﷺنے اپنی سیرت کے ذریعہ وہ دستور حیات دیا ہے اور ایسا منظم ومرتب، پاکیزہ اور مضبوط راستہ عطا کیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔اسی تناظر میں سماجی و اخلاقی اصلاح کے تین اہم عوامل سامنے آتے ہیں، جن کی بنیاد سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذ کی گئی ہے۔ ان میں سب سے پہلا اور بنیادی عامل علم ہے، کیونکہ اصلاحِ معاشرہ کا آغاز شعور اور بصیرت کے بغیر ممکن نہیں۔

سماجی و اخلاقی اصلاح کے ضروری عوامل

☆ علم

انسانیت اپنی سیرت وکردار سنور نا چاہتی ہے اور اپنے افعال واعمال صحیح کرنا چاہتی ہے تو سیرت نبوی سب سے پہلے علم کی طرف اس کا رخ موڑ تی ہے اور اسے بتاتی ہے انسانی کردار کو سنوار نے اور بلند مقام پر پہنچانے اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا حقیقی مصداق بننے کے لئے علمی پیاس بجھانا ضروری ہے۔ رسول اللہﷺنے انسانیت کی توجہ سب سے پہلے علم ہی طرف مبذول

[2] الاحزاب 33:21

کروائی ہے اور انہیں حصول علم میں جد و جہدکرنے اور اپنے اندر کمالِ علم پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے، بلکہ آپﷺپر غارِ حراء میں نازل ہونے والی پہلی آیت کے پہلے جزو کا پہلا حرف" اِقراء " ہے، جیسا کے ارشاد خداوندی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ [3]

"اپنے رب کے نام سے پڑھوجس نے پیدا کیا۔"

اس کے ذریعہ پوری دنیا کو ایک پیغام دے دیا گیا کہ اَب ضلالت وگمراہی، جہالت کی تاریکی اور بے علمی کے بادل چھٹنے والے ہیں اور محسن انسانیت کے علم وعمل، اخلاق وکردار اور صاف وشفاف سیرت کا عملی سورج دھر تی پر طلوع ہو چکا ہے جس کی روشن کرنوں سے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کا ہر ذرہ ذرہ روشن اور منور ہوجائے گا، علم دوطرح کے ہیں ایک علم ربانی اور دوسرے علم مادی، ایک خدا کی پہچان کرواتا ہے، اس کے احکام بتاتا ہے، زندگی کے اصول سکھاتا ہے، جینے کا ڈھنگ عطا کرتا ہے، بندگی کے مقام تک پہنچاتا ہے، عبدیت کی منزل پر لے جاتاہے اور جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو انسان کا مقصود ومطلوب اور اس کا حقیقی ٹھکانا ہے، اسی کو علِم وحی بھی کہا جاتا ہے ۔ درحقیقت یہی حقیقی معنی میں علم بھی ہے، دوسرا مادی علم ہے، یہ انسانوں کو زندگی گزارنے میں سہولیات فراہم کرتا ہے، ضروریات زندگی میں اس کی مدد کرتا ہے، کل کی تیاری میں اس کا معاون و مددگار بنتا ہے اور دنیا کے رازوں سے پردے ہٹا تا ہے، گو یا یہ بھی علم ربانی ہی کی ایک شاخ اور ٹہنی ہے، قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہےکہ علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کے ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ[4]

"فرما دیجیے کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔ بس نصیحت تو عقلمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔"

کہ اللہ کےکلام نے کائنات کے سارے رازوں کو افشاں کیا ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں زمین کے خزانے، سمندری ذخائر اور آسمان میں موجود نئی نئی چیزوں کا انکشاف کیا گیا ہے، آج جتنی بھی مادی ترقی ہوئی ہے اور لوگوں نے زمین وآسمان کے درمیان چیزوں کا پتہ لگایا ہے یہ سب قرآن کریم ہی کی مرہون منت اور اسی کا صدقہ ہے، سیرت نبوی انسانیت کی تعمیر کے لئے تعلیم کو لازم اور حصول علم کی طرف قدم بڑھانے کو ضروری قرار دیتی ہے، علم کو نور قرار دے کر اس کی روشنی میں زندگی کے سفر کو طے کرنے کی ترغیب دیتی ہے، رسول اللہﷺنے سیرت انسانی کی تعمیر وارتقاء، ہمہ مقصد فوائد کے حصول اور اس کے اخلاق و کردار کی بلندی کے لئے علم کو لازم قرار دیا ہے، سیرت نبویﷺاس شخص کی تحسین کرتی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو حصول علم کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ، وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ[5]

" جو شخص کسی راستے میں حصول علم کی خاطر چلا ہو ، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلائے گا ۔ اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضا مندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں ، اور صاحب علم کے لیے آسمانوں میں بسنے والے ، زمین میں رہنے والے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں ۔ اور بلاشبہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں کے چاند کی سب ستاروں پر ہوتی ہے ، بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار ورثے میں نہیں چھوڑے ہیں ۔ انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے ۔ جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بڑا نصیبہ (وافر حصہ) پایا ۔"

[3] العلق 1:96

[4] الزمر، 9:39

[5] ال سجستانی، ابو داوٗد، سلمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث: 3641

جد و جہد مسلسل کے ذریعہ علم حاصل کر نے کی سعی کرتا ہے اور دور دراز مقامات پر پہنچ کر علم کی پونجی حاصل کر تا ہے، کیونکہ علم وہ لاقیمت دولت ہے جس کا کوئی بدل نہیں اور جس کے بغیر انسانیت کی اصلاح وفلاح ممکن ہی نہیں، خود رسول اللہﷺنے اپنا تعارف کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا میں معلم بناکر بھیجا گیا ہوں۔ آپﷺنے پوری زندگی معلم انسانیت بن کر گزاری اور اپنی پاکیزہ عملی زندگی کے ذریعہ انسانیت کی وہ گراں قدر تعمیر فرمائی جس کی تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں، آپ ﷺ نے جاہلیت، جہالت، ظلم وبربریت اور عروج حیوانیت کے دور میں اپنے علم وعمل اور اپنی سیرت وتربیت کے ذریعہ قوم کی علمی، عملی، سماجی، اخلاقی اور معاشرہ کی ایسی خوبصورت تشکیل فرمائی کہ اس سے قبل نہ ایسی صالح قوم دیکھنے میں آئی اور نہ بعد میں دیکھنے کو ملے گی، علم دین کا حصول تو اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ اسی پر اعمال کا مدار اور اس کی قبولیت کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی وخواہش معلوم کرنے کا یہ ذریعہ ہے اور رسول اللہﷺکے ارشادات واحکامات اور آپﷺکی سیرت کا تعلق بھی اسی سے ہے اور آخرت میں کامیابی ونجات کا مدار بھی اسی علم سے جڑا ہوا ہے۔

دینی علم سے محرومی آدمی کے لئے نہ صرف باعثِ شرمندگی ہے بلکہ ذلت ورسوائی کا سبب بھی ہے، جو لوگ علم دین کے حصول سے غفلت کرتے ہیں ان کے شیطانی جال میں گرفتار ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں، یا تو وہ خود سے عمل کرنے لگتے ہیں یا پھر عموماً آزاد ذہن لوگوں سے رہنمائی لے کر عملی اقدامات کرنے لگتے ہیں، اس لئے علم دین کا حصول بقدر ضرورت لازمی ہے۔رہا مادی علم تو عالم انسانیت کی زندگی کو بہتر بنانے کی غرض سے اس کا حاصل کرنا جائز ہے بلکہ عبادت ثواب ہے، اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ایک کامیاب معاشرہ اور صالح تہذیب وتمدن کے قیام کے لئے ہر طرح کے ماہرین علم وفن کی ضرورت ہوتی ہے، اگر ایسے افراد ملت کے اندر نہیں ہوں گے تو بسااوقات شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے، سیرت نبویﷺمیں اس سلسلہ میں رہنمائی موجود ہے، آپﷺنے یہودیوں سے خط وکتابت کے لئے ان کی بولی جانے والی سریانی زبان سیکھنے کی صحابہ کرام کو ترغیب دی۔چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے صرف پندرہ دنوں میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتےہیں کہ:

"امرني رسول اللهﷺان اتعلم له كلمات من كتاب يهود، قال: إني والله ما آمن يهود على كتاب، قال: فما مر بي نصف شهر، حتى تعلمته له، قال: فلما تعلمته كان إذا كتب إلى يهود كتبت إليهم، وإذا كتبوا إليه قرات له كتابهم"[6]

"رسول ﷺنے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺکے لیے یہود کی کچھ تحریر سیکھ لوں، آپ ﷺنے فرمایا: " اللہ کی قسم! میں یہود کی تحریر پر اعتماد و اطمینان نہیں کرتا"، چنانچہ ابھی آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے آپ ﷺکے لیے اسے سیکھ لیا۔ کہتے ہیں: پھر جب میں نے سیکھ لیا اور آپ ﷺکو یہودیوں کے پاس کچھ لکھ کر بھیجنا ہوا تو میں نے لکھ کر ان کے پاس بھیج دیا، اور جب یہودیوں نے کوئی چیز لکھ کر آپ ﷺکے پاس بھیجی تو میں نے ان کی کتاب (تحریر) پڑھ کر آپ ﷺکو سنا دی۔"

نیز صنعت وحرفت کا سیکھنا اور اس کے ذریعہ سے ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور دوسروں کی ضرورت کی تکمیل میں معاون بننا بھی دین ہی کا حصہ ہے اور اس کے سیکھنے اور اس علم کے حاصل کرنے کی اسلام تعلیم دیتا ہے بلکہ اس کی نشر واشاعت کی اجازت بھی دیتا ہے، بلکہ قرآن کریم میں ان انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ نہایت وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم صنعت وحرفت سے نوازا تھا اور انہیں صنعتی فنون میں مہارت حاصل تھی، سیرت نبویﷺسے یہ تعلیم ملتی ہے کہ جس چیز سے انسان کو حقیقی نفع حاصل ہوتا ہو اور اس سے انسانیت کی اصلاح مقصود ہو تو اس کا حصول ایک مستحسن عمل ہے، سیرت نبویﷺبتاتی ہے کہ تعمیر انسانیت کے لئے حصولِ علم نہایت اہم اور لازمی جزو ہے، اس کے بغیر انسانیت کیا اصلاح کا تصور محال ہے ۔ یوں ہی جیسے سیرتِ نبوی ﷺنے انسانیت کو یہ حقیقت سمجھائی کہ سماجی و اخلاقی اصلاح کے کے لئے علم بنیاد ہے، ویسے ہی اس علم کی تکمیل اور اس کے حقیقی ثمرات کے حصول کے لئے عمل ناگزیر اور لازمی جزو ہے۔

☆ عمل

انسانی زندگی کی تعمیر وترقی اور ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے سیرت نبویﷺنے جہاں علم کو ضروری قرار دیا ہے وہیں اس کے لئے عمل کو بھی ضروری گردانہ ہے، کیونکہ علم مطالبہ کرتا ہے عمل کا، جس طرح درخت پھل کے بغیر اپنی قیمت نہیں رکھتا اسی طرح عمل کے بغیر علم بھی اپنی کشش کھو دیتا ہے، کسی کہنے والےنے درست کہا ہے کہ " علم عمل کے بغیر اس جسم کی مانند ہے جو جان اور روح سے خالی ہے۔" انسان کی کامیابی وترقی کے لئے عملی زندگی ضروری ہے، اس کے بغیر انسانیت کی تعمیر کا تصور ناممکن بلکہ محال ہے، قرآن کریم میں علم رکھنے والے بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ رکھا گیا ہو۔ ارشاد رب العالمین ہے:

---

[6] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الاستیذان الاداب، باب ماجاء فی تعلیم السریانیۃ، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:559 ، رقم الحدیث 2628

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْہَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَارًا[7]

"جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو "

اس آیت مبارکہ میں تورات کے ماننے والوں کی بے عملی کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تورات اور اس میں بیان کردہ احکامات کو جاننے کے باوجود ان پر عمل نہیں کرتے، اس لیے ان کی مثال ایسے گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ تو لادا گیا ہو مگر وہ ان کتابوں کے نفع سے خالی ہو۔ کیونکہ علم کا اصل مقصود عمل ہے، اور جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ محض بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس مثال کے ذریعے ان تمام لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو علم سے واقف ہونے کے باوجود عملی کوتاہیوں کا شکار رہتے ہیں اور بے عملی کی زندگی گزارتے ہیں۔

سیرتِ طیبہ ﷺ کا ہر گوشہ عمل کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کہیں بھی ایسا نہیں ملتا کہ آپﷺ نے کسی بات کا حکم دیا ہو اور خود اس پر عمل نہ کیا ہو۔ بلکہ آپ ﷺ نے ہر تعلیم کو پہلے اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا اور پھر امت کو اس کا حکم دیا، تاکہ واضح ہو جائے کہ حقیقی علم وہی ہے جو کردار اور عمل میں جھلکے۔اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں واضح فرمایا:

لا تَزولُ قدَما عَبدٍ يومَ القِيامةِ حتَّى يُسألَ عن أربَعٍ: عَن عُمُرِهِ فيمَ أفناهُ، وعَن عِلمِهِ ماذا عَمِلَ به وعَن مالِهِ مِن أينَ أكتسبَهُ وفيمَ أنفقَهُ، وعَن جسمِهِ فيمَ أبلاهُ[8]

"قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا: اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری، اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا۔"

یہ حدیث اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ علم محض جاننے کا نام نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا اصل ذمہ داری ہے۔ جو لوگ علم کے باوجود عمل سے غافل رہتے ہیں وہ اسی تنبیہ کے مستحق ہیں جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے، اور جو علم کو عمل کے ساتھ جوڑتے ہیں وہی دنیا و آخرت میں کامیابی پاتے ہیں۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے صرف علم کے حصول پر زور نہیں دیا بلکہ اس بات کی بھی تعلیم دی کہ علم اس وقت ہی حقیقی قدر رکھتا ہے جب وہ انسان اور معاشرے کے لیے نفع مند ہو۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ[9]

"اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔"

یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ محض نظری علم کافی نہیں بلکہ اسے عملی زندگی میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ اسی اصول کو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر لمحے میں عملی شکل میں پیش کیا۔ خواہ آپ ﷺ گھر میں ہوں یا باہر، سفر میں ہوں یا حضر میں، میدانِ جنگ میں ہوں یا امن کے مقام پر، ساتھیوں کے درمیان ہوں یا دشمنوں کے بیچ، لین دین کے معاملات ہوں یا عدل و انصاف کے مواقع، حتیٰ کہ عبادت کا وقت ہو یا عیادت کا موقع ہو، ہر موقع پر آپ ﷺ نے علم کو عمل کا جامہ پہنا کر ایک مکمل نمونہ فراہم کیا۔ اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

إنما الأعمال بِالنيَّات[10]

---

[7] الجمعہ 5:62

[8] ابن مفلح، شمس الدین، الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ ، فصل فی طلب العلم وما یبدا بہ منہ وما ھو فریضۃ منہ وفضل اھلہ، مکتبہ شاملہ ، ج:2، ص:39

[9] کتاب الاستعاذۃ، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث: ، نسائی، امام، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، السنن النسائی، باب : الاستعاذۃ من دعاء لا یسمع 5539

[10] قشیری، امام، ابوالحسن، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ: انما الاعمال بالنیۃ، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:149، رقم الحدیث 4927

"اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"

یہی خالص نیت، کردار کی طاقت اور عملی قوت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے صفا کی چوٹی سے تنہا کلمۂ توحید بلند کیا اور حق کی صدا لگائی۔ اس کے نتیجے میں چند ہی سالوں میں عرب کا چپہ چپہ نورِ توحید سے جگمگا اٹھا اور وہ قوم جو بت پرستی اور شرک میں ڈوبی ہوئی تھی، اسلام کے دامنِ امن سے ایک نئی زندگی پانے میں کامیاب ہوئی۔ سیرتِ نبوی ﷺ واضح کرتی ہے کہ قوموں کے عروج و ترقی کا اصل راز ان کا عملی کردار اور خالص نیت ہے۔ جب علم کو عمل کا پیکر بنا دیا جائے تو وہی عمل اپنی اصل تکمیل اُس وقت پاتا ہے جب وہ حسنِ اخلاق کے زیور سے آراستہ ہو کر انسانیت کے دلوں کو فتح کرتا ہے، اور یوں ایک مضبوط اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔

اخلاق

سیرت نبویﷺبتاتی ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لئے "حسن اخلاق " نہایت ضروری ہے، حسن اخلاق سے انسان معاشرہ میں وہ مقام پاتا ہے جو گلستان چمن میں"گلاب" کو ملتا ہے، تلوار کے ذریعے تو صرف جنگ جیتی جاتی ہے اور اخلاق کے ذریعے دل جیتے جاتے ہیں، تلوار کی دھار سے تو گردن کٹتی ہے اور زبان واخلاق کی دھار سے دل جُڑتے ہیں، اور کاٹنے والی چیز سے جوڑ نے والی چیز بہتر ہوتی ہے، رسول اللہﷺکی حیات طیبہ اور آپﷺکی زندگی کا ہر گوشہ اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ[11]

"اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں"

آپﷺکی سیرت اخلاق حسنہ کا مینارہ نور ہے جس سے دنیا کا ہر ذرہ روشن ہوا، آپﷺنے انسانیت کو اخلاق حسنہ کی وہ تعلیم دی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانی عاجز اور قاصر ہے، آپﷺنے نہ صرف اپنے اقوال وارشاد کے ذریعہ انسانیت کو اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے کی تعلیم دی بلکہ خود اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے، آپﷺ نے اخلاق حسنہ کو کامل ایمان کی نشانی بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا :

اکمل المؤمن ایمانا احسنھم خلقا[12]

"کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں"

اخلاقِ حسنہ کا حامل شخص اپنے اخلاق وکرادر کی وجہ سے نفلی عبادات انجام دینے والے عبادت گزاروں کی صف میں شامل ہوجاتاہے۔ آپﷺنے ارشاد فرمایا :

ان المؤمن لیدرک بحسن خلقہ درجہ الصائم القائم[13]

"مؤمن اپنے حسن اخلاق سے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات میں عبادت کرنے والے کا درجہ پا لیتا ہے "

بلکہ ایک حدیث میں آپﷺنے حسن اخلاق کو میزان عمل کی سب سے وزنی چیز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مامن شئ‌ی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق[14]

"میزان عمل میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی وزنی چیز نہ ہوگی"

---

[11] القلم4:68

[12] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، ص:349، رقم الحدیث1125

[13] السجستانی، ابوداوٗد، سلمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، مکتبہ رحمانیہ، ج:2، ص:318، رقم الحدیث:4798

[14] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، ص:464، رقم الحدیث: 1962

ACADEMIA International Journal for Social Sciences
Volume 4, Issue 3, 2025 ISSN-L (Online): 3006-6638

اخلاق یہ نہیں کہ صرف بول چال میں نرمی اختیار کی جائے یا خندہ پیشانی سے ملاقات کرلی جائے بلکہ اخلاق کا معنی ومفہوم نہایت جامع اور وسیع ہے، ہر اچھائی کے کام کو احسن طریقے سے ادا کرنا اور ہر بُرائی کے کام سے بچنے کا نام اخلاق ہے، عبادت کو مکمل آداب کی رعایت سے ادا کرنا، بدکلامی کا جواب نرم کلامی سے دینا، بُرائی کے بدلے میں بھلائی سے پیش آنا، قرض وصولی میں نرمی کرنا، دشمن کو معاف کر دینا، لین دین میں سہولت پہنچانا، غصہ پر ضبط کرنا اور حق پر ہونے کے باوجود صلح میں پہل کرنا یہ سب حسن اخلاق میں داخل ہیں، جوقوم اخلاق حسنہ سے متصف ہوتی ہیں ۔ آپﷺنے ارشاد فرمایا:

انا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محقا، وببيت في وسط الجنة لمن ترك الكذب، وإن كان مازحا، وببيت في اعلى الجنة لمن حسن خلقه[15]

"میں اس شخص کے لیے جنت کے اندر ایک گھر کا ضامن ہوں جو لڑائی جھگڑا ترک کر دے، اگرچہ وہ حق پر ہو، اور جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو جھوٹ بولنا چھوڑ دے اگرچہ وہ ہنسی مذاق ہی میں ہو، اور جنت کی بلندی میں ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو خوش خلق ہو۔"

کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، بلندیاں اس پر فخر کرتی ہیں، اس کے بلند کردار کی وجہ سے تاریخ کے صفحات اس پر ناز کرتے ہیں، سیرت نبویﷺہر باب حسن اخلاق سے منور ہے، آپﷺکی سیرت سے جڑے بغیر اور اخلاق حسنہ کی کشتی میں سواری کئے بغیر کوئی بھی قوم اپنی اخلاقی تشکیل نہیں کر سکتی اور نہ ہی کامیابی سمیٹ سکتی ہے، جو قومیں بھی آج مقام ترقی پر فائز نظر آرہی ہیں اور اپنی زندگی میں خوش حال اور قوموں کی سردار دکھائی دے رہی ہیں دراصل انہوں نے جان لیا کہ انسانیت کے ارتقاء کا راز سیرت نبویﷺاور اخلاق نبویﷺہی ہے، تقریباً چودہ صدی قبل ہدایت عالم، معلم انسانیت اور مجسم اخلاق حضرت محمدﷺنے انسانی ذات کی تعمیر وترقی کے لئے علم، عمل اور اخلاق کو نہ صرف لازم قرار دیا بلکہ اس کے ذریعہ وہ بلند کردار جماعت تشکیل دی جسے دیکھ کر فرشتے بھی رشک کرتے تھے اور جن کے قدموں کی دھول مل جائے تو دنیا کا نصیب چمک جائے، اور جولوگ جس زمانے اور جس علاقہ میں بھی انسانی ذات کی تعمیر کے لئے جب بھی اس طریقے کو اپنائیں گے کامیابی ان کا مقدر بنے گی اور وہ زمین پر رہ کر بھی اس طرح چمکیں گے جس طرح آسمان کے ستارے چمکتے ہیں ۔

اسی طرح علم، عمل اور اخلاق ساتھ ساتھ کچھ ایسی اعلیٰ اقدار اور اوصاف بھی ہیں جو اس عمارت کو مضبوطی اور پائیداری فراہم کرتے ہیں۔ یہ اوصاف نہ صرف فرد کی شخصیت کو نکھارتے ہیں بلکہ پورے معاشرے کو ایک مثالی اور متوازن نظام کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان اعلیٰ اقدار میں رواداری، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مساوات، حلم، بردباری، صبر اور قناعت نمایاں اور لازمی حیثیت رکھتے ہیں۔

رواداری ایسی قدر ہے جو معاشرے میں برداشت، باہمی احترام اور ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے۔ یہ اختلافات کو تعصب، نفرت اور ٹکراؤ میں بدلنے کے بجائے مثبت مکالمے اور تعاون میں ڈھالتی ہے۔ جب رواداری کو معاشرتی اصول کے طور پر اپنایا جائے تو مختلف مذاہب، طبقات اور نظریات رکھنے والے لوگ امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلامی معاشرت کا ایک نہایت اہم فریضہ ہے۔ یہ نیکی کو فروغ دینے اور برائی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب معاشرے کے افراد نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے اس اصول کو اپناتے ہیں تو معاشرہ منکرات، ظلم، اور بگاڑ سے پاک ہو جاتا ہے اور خیر و بھلائی کا مرکز بن جاتا ہے۔ مساوات معاشرتی عدل اور انصاف کی بنیاد ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ تمام انسانوں کو رنگ، نسل، زبان، مقام یا دولت کے فرق سے بالا تر ہو کر برابر سمجھا جائے۔ اسلام نے مساوات کے ذریعے غلام اور آقا، امیر اور غریب، اور حاکم و محکوم کے درمیان موجود تمام خلیجوں کو ختم کر دیا اور اصل معیار کو صرف تقویٰ اور نیک اعمال قرار دیا۔ حلم اور بردباری ایسے اوصاف ہیں جو انسان کو غصے، انتقام، اور جلد بازی جیسے منفی جذبات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ معاشرتی تعلقات کو امن، سکون اور محبت سے بھر دیتے ہیں اور تنازعات کے حل کے لیے صلح جوئی اور حکمت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ صبر زندگی کی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کے لیے انسان کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ انسان کو مایوسی اور بدعملی سے بچا کر اسے استقامت اور ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔قناعت انسان کو حرص، لالچ اور حسد سے نجات دلاتی ہے اور دل کو اطمینان اور سکون فراہم کرتی ہے، جس سے معاشرے میں معاشی اور روحانی توازن قائم رہتا ہے۔

یہ تمام اقدار کسی بھی معاشرے کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہیں جو بنیاد کے لیے اینٹوں اور سیمنٹ کی ہوتی ہے۔ جب معاشرے کے افراد ان اوصاف کو اپنی زندگیوں میں راسخ کر لیتے ہیں تو ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے جو نہ صرف مادی ترقی کو فروغ دیتا ہے بلکہ روحانی بلندی اور اخلاقی عظمت کی روشن مثال بھی قائم کرتا ہے۔ یوں سیرتِ نبوی ﷺ محض ایک تاریخی ورثہ نہیں بلکہ ہر دور میں ایک زندہ اور جامع دستورِ حیات کے طور پر سامنے آتی ہے، جو فرد، خاندان اور معاشرے کو فلاح و کامیابی کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔

[15] السجستانی ، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث:4800

سماجی و اخلاقی اصلاح کے اصول و ضوابط

آقا دو جہاں ﷺنے بہت سی شخصیات کی تعمیر فرمائی اور انسانوں کو ایسے اصول و ضوابط سے روشناس کروایا جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اوج ثریا تک پہنچ سکتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺنے ہمیشہ سے مساوات انسانی کا درس دیا ہے۔ کہ بنیادی انسانی ضروریات ہر کسی کو بغیر رنگ، نسل اور جنس میں امتیاز کیے بغیر برابر ملنی چاہیے۔ رسولﷺنے حجۃ الوداع میں اعلان کیا:

انّ اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ قَد أعطیٰ لِکُلِّ ذِی حَقٍّ حَقَّہ[16]

"اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیاہے۔"

اس موقع پر آپﷺنے بہت سے حقوق(اصول) بیان کیے، اس خطبے میں آپﷺنے فرمایاکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حق کو اس کا حق دے دیاہے۔ اس سے پتا چلتاہے کہ اسلام نے جن بنیادی حقوق کی صراحت کی ہے وہ کسی نے جدّ وجہد کرکے نہیں حاصل کیے ہیں، کسی نے اپنی طاقت کے بل پر ان حقوق کی ضمانت حاصل نہیں کی ہے، بلکہ یہ حقوق بحیثیت انسان اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو دیے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتاہے، یا ان کو پامال کرتاہے تو گویا وہ کسی دوسرے انسان کا حق نہیں مارتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حق مارتاہے اور اس نے جن حقوق کی ضمانت دی ہے ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتاہے۔

اللہ کے رسول ﷺنے حقوق کا ایک بہت جامع تصور پیش کیاہے۔ ہم بنیادی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ حقوق کی اسلام میں دو قسمیں کی گئی ہیں ایک اللہ کا حق، دوسرے بندوں کا حق۔ دونوں کا درجہ برابر ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتاکہ اللہ کا درجہ بڑا ہے انسانوں کے مقابلے میں۔ اس لیے اللہ کے حقوق کی ادائیگی انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں دونوں حقوق کاتذکرہ ایک ساتھ آیاہے اور دونوں کی ادائیگی کی تاکید برابر کی گئی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِىْ الْقُرْبىٰ وَالْيَتٰمىٰ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِىْ الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً[17]

"اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔حسن سلوک کرو والدین کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ، اس پڑوسی کے ساتھ جو تمہارا رشتہ دار ہے، اس پڑوسی کے ساتھ جو تمہارا رشتہ دار نہیں ہے اور اس پڑوسی کے ساتھ جس کا تھوڑی دیر کے لیے تمہارا ساتھ ہوگیاہواور مسافر کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تمہارا زیر دست ہو۔"

حقوق کی تفصیل ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے :حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ہوئے۔کھانے کا وقت آیا تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کھائیے، میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا جب تک آپ ساتھ میں نہیں کھائیں گے۔چنانچہ دونوں نے ساتھ میں کھانا کھایاحضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی تو بہت متقی اور پرہیزگار ہیں۔ وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں میں عبادت کرتے ہیں۔ بظاہر تو انہوں نے اپنے شوہرکی تعریف کی تھی، لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ انہوں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا:

إنّ لِرَبّکَ عَلَیکَ حَقّاً، وَلِنَفْسِكَ عَلَیکَ حَقّاً، وَلأَهلِکَ عَلَیکَ حَقّاً، وَاهلک عَلَیکَ حَقّاً[18]

"تم پر تمہارے رب کا حق ہے، تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تم پر تمہارے گھر والوں کا حق ہے اور تم پر تمہارے گھر والوں کا حق ہے۔"

---

[16] الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاءلاوصیۃلوارث، ج:2، ص:477، رقم الحدیث2080

[17] النساء4:36

[18] البخاری، أبوعبداللہ، محمد بن إسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ لیفطرفی التطوع ولم یرعلیہ قضاءاذاکان اوفق لہ ، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص:355، رقم الحدیث:1968

اس حدیث میں بھی حقوق کی ایک جامع تعریف بیان کی گئی ہے اور یہ ساری باتیں اگر چہ ایک صحابی کی بیان کردہ ہیں، لیکن روایت میں ہے کہ جب اللہ کے رسولﷺتک یہ بات پہنچی تو آپﷺنے فرمایا:صَدَقَ سَلْمَان یعنی سلمان نے بالکل صحیح بات کہی‌گویا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو باتیں کہی تھیں، انھیں اللہ کے رسول ﷺکی تائید حاصل ہو گئی۔ حضورﷺنے جیسے زندگی کے ہر معاملہ کے اصول دئیے۔

1۔رشتہ داروں کے بارے میں اصول

اسی طرح آپ ﷺنے فرد کی اخلاقی اصلاح کے لیے رشتہ داروں سے میل جول کے بھی اصول فراہم کیے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ، كَانَ لَهُ حِمَارٌ يَتَرَوَّحُ عَلَيْهِ، إِذَا مَلَّ رُكُوبَ الرَّاحِلَةِ وَعِمَامَةٌ يَشُدُّ بِهَا رَأْسَهُ، فَبَيْنَا هُوَ يَوْمًا عَلَى ذَلِكَ الْحِمَارِ، إِذْ مَرَّ بِهِ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: أَلَسْتَ ابْنَ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، قَالَ: بَلَى، فَأَعْطَاهُ الْحِمَارَ، وَقَالَ: ارْكَبْ هَذَا وَالْعِمَامَةَ، قَالَ: اشْدُدْ بِهَا رَأْسَكَ، فَقَالَ لَهُ: بَعْضُ أَصْحَابِهِ غَفَرَ اللهُ لَكَ أَعْطَيْتَ هَذَا الْأَعْرَابِيَّ حِمَارًا كُنْتَ تَرَوَّحُ عَلَيْهِ، وَعِمَامَةً كُنْتَ تَشُدُّ بِهَا رَأْسَكَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِﷺيَقُولُ: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ وَإِنَّ أَبَاهُ كَانَ صَدِيقًا لِعُمَرَ[19]

" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی کہ وہ مکہ مکرمہ کے لیے نکلتے تو جب اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو ان کا گدھا (ساتھ ہوتا) تھا جس پر وہ سہولت کے لیے سواری کرتے۔ اور ایک عمامہ (ہوتا) تھا جو اپنے سر پر باندھتے تھے۔ تو ایسا ہوا کہ ایک دن وہ اس گدھے پر سوار تھے کہ ایک بادیہ نشیں ان کے قریب سے گزرا، انہوں نے اس سے کہا؛ تم فلاں بن فلاں کے بیٹے نہیں ہو! اس نے کہا: کیوں نہیں (اسی کا بیٹا ہوں) تو انہوں نے گدھا اس کو دے دیا اور کہا: اس پر سوار ہو جاؤ اور عمامہ (بھی) اسے دے کر کہا: اسے سر پر باندھ لو۔ تو ان کے کسی ساتھی نے ان سے کہا: اللہ آپ کی مغفرت کرے! آپ نے اس بدو کو وہ گدھا بھی دے دیا جس پر آپ سہولت (تکان اتارنے) کے لیے سواری کرتے تھے اور عمامہ بھی دے دیا جو اپنے سر پر باندھتے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺسے سنا، آپ فرما رہے تھے: "والدین کے ساتھ بہترین سلوک میں سے یہ (بھی) ہے کہ جب اس کا والد رخصت ہو جائے تو اس کے ساتھ محبت کا رشتہ رکھنے والے آدمی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔" اور اس کا والد (میرے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔"

2۔ہمسائیوں کے بارے میں اصول

رشتہ داروں ہی کی طرح کی حیثیت پڑوسیوں کی ہوتی ہے۔ آدمی پر اچانک جب کوئی آفت آن پڑتی ہے تو رشتہ دار بعد میں پہنچتے ہیں، اس کی چیخ و پکار پہلے پڑوسیوں تک پہنچتی ہے اور وہ اس کی مدد کے لیے آتے ہیں۔ اسی لیے اللہ کے رسولﷺنے پڑوسیوں کا حق رشتہ داروں سے بڑھ کر قرار دیاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپﷺنے ارشاد فرمایا:

مَازَالَ جِبرِيلُ يُوصِينِي بِالجَارِ، حَتّٰى ظَنَنتُ أَنَّه سَيُوَرِّثُه [20]

"حضرت جبریل علیہ السلام میرے سامنے برابرپڑوسی کے حقوق بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگاکہ وہ وراثت میں بھی اسے حق دار بنادیں گے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپﷺنے ارشاد فرمایا:

واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن قیل ومن یا رسول اللہ قال الذي لایامن جارہ بوائقہ[21]

"واللہ ! وہ ایمان والا نہیں، واللہ ! وہ ایمان والا نہیں ۔ واللہ ! وہ ایمان والا نہیں ۔ عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ ؟ فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو ۔"

---

[19] قشیری، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوھما، مکتبہ شاملہ، رقم الحدیث:6515

[20] قشیری، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ، ج:2، ص334، رقم الحدیث:6687

[21] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اثم من لایامن جارہ بواءقہ یوبقھن یھلکھن موبقامھلکا، ج:2، ص:418، رقم الحدیث:6016

3۔خواتین سے برتاؤ کے اصول

اللہ کے رسولﷺنے جب لوگوں کے اصول بیان کرنے شروع کیے تو خاص طور پر معاشرے کے جو کمزور طبقات تھے، ان کے حقوق پر آپﷺنے زیادہ زور دیا اور ان کی ادائیگی کی تاکید کی۔آپﷺکے یہ ارشادات خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی پائے جاتے ہیں اور اس سے ہٹ کر زندگی کے دوسرے مواقع پر بھی آپﷺنے ان حقوق کی تاکید کی۔ اس زمانے میں جو کمزور طبقات تھے ان میں خاص طور پر عورت تھی۔ عورت چاہے ماں ہو، یا بہن ہو، یا بیوی ہو، یا بیٹی ہو، عرب معاشرے میں اس کو کسی بھی لحاظ سے بنیادی انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اللہ کے رسول ﷺنے اس کے حقوق کی تاکید کی اور عورت بحیثیت عورت کے حقوق بیان کیے۔ آپﷺنے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا :

اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً[22]

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا[23]

"ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی کر دے۔"

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کی پامالی کے سلسلے میں اللہ سے ڈرنے کی بات کیوں کہی گئی ہے؟ اس لیے کہ تم جو کسی انسان کواس کا حق دیتے ہو وہ دراصل اللہ کا حق ہوتاہے، جس کی تم ادائیگی کرتے ہو۔ گویا کسی انسان کے حق کی ادائیگی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی ہے۔

4۔غلاموں سے برتاؤ کے لیے اصول

اس زمانے میں غلاموں کو کسی طرح کے انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ان کا درجہ حیوانات سے بھی بدتر سمجھا جاتاتھا۔ اللہ کے رسولﷺنے ان کے انسانی حقوق بیان کیے ۔ آپﷺنے فرمایا:

إخوَانُکُم خَوَلُکُم، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحتَ أیدِیکُم، فَمَن کَانَ أخُوهُ تَحتَ یَدِهِ فَلیُطعِمهُ مِمَّا یَأکُل، وَلیَلبِسهُ مِمَّایَلبِس، وَلاَ تُکَلِّفُوهُم مَا یَغلِبُهُم، فَإن کَلَّفتُمُوهُم فَاَعِینُوهُم[24]

"یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارا ماتحت بنادیاہے۔ پس اگر کسی کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو تو جو وہ خود پہنے وہ اسے بھی پہنائے اور جو خود کھائے وہ اسے بھی کھلائے۔ان سے کوئی ایسا کام نہ لو جو وہ نہ کرسکتے ہوں۔اگر ان سے ایسا کام لینا مجبوری ہوتو ان کا تعاون کرو اور ان کا ساتھ دو۔"

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے ۔ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ جس طرح کا کپڑا وہ خود پہنتے تھے اسی طرح کا کپڑا اپنے غلام کو پہناتے تھے۔میں نے ان سے پوچھا :حضرت !آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ان کی حیثیت کے مطابق انہیں دوسرا کپڑا پہناسکتے ہیں ۔اس پر انھوں نے یہ حدیث سنائی۔حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

---

[22] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، ج:2، ص:285، رقم الحدیث:5186

[23] النساء4:19

[24] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق وفضلہ وقول اللہ تعالیٰ فک رقبۃ او اطعام الخ، باب قول النبی ﷺ العبید اخوانکم فاطعموھم الخ، ص:447، رقم الحدیث:2545

قال ابو مسعود البدري : " كنت اضرب غلاما لي بالسوط، فسمعت صوتا من خلفي اعلم ابا مسعود فلم افهم الصوت من الغضب، قال: فلما دنا مني إذا هو رسول اللهﷺفإذا هو، يقول: اعلم ابا مسعود اعلم ابا مسعود، قال: فالقيت السوط من يدي، فقال: اعلم ابا مسعود ان الله اقدر عليك منك على هذا الغلام، فقلت: لا اضرب مملوكا بعده ابدا[25]"

"حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی: "ابو مسعود! جان لو۔" میں غصے کی وجہ سے آواز نہ پہچان سکا، کہا: جب وہ (کہنے والے) میرے قریب پہنچے تو وہ رسول اللہﷺ تھے، آپ فرما رہے تھے: "ابو مسعود! جان لو، ابو مسعود! جان لو۔" کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا پھینک دیا، تو آپ نے فرمایا: "ابو مسعود! جان لو۔ اس غلام پر تمہیں جتنا اختیار ہے اس کی نسبت اللہ تم پر زیادہ اختیار رکھتا ہے۔" تو میں نے کہا: اس کے بعد میں کسی غلام کو کبھی نہیں ماروں گا۔"

اس حدیث پر ہم غور کریں۔ دیکھیں کہ اس زمانے میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی؟ اور اللہ کے رسولﷺنے ان کو کتنا بلند مقام عطاکیا۔انہیں بھائی قرار دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیاجائے جیسا بھائی کے ساتھ کیا جاتاہے۔

5۔انسانی جان کے تحفظ کا اصول

حقوق انسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اللہ کے رسولﷺنے اخلاقی اصلاح کے لیے کیا بنیادی حقوق بیان کیے ہیں؟اور ان حقوق کی کیا ضمانت دی ہے؟ سب سے پہلا حق جان کا ہے۔ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی جان کے در پے ہواور اس کو قتل کرے۔ انسانی جان کی پامالی آج ہمارے معاشرے میں عام ہوگئی ہے۔ ہمارے ملک ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں جتنی پامالی ہورہی ہے اتنی انسانی تاریخ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کے متعلق قرآن مجیدکی آیتیں بھی ہیں، لیکن میں یہاں صرف حدیث پیش کرتاہوں۔اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ[26]

"پوری دنیا کا فنا ہوجانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے۔"

انسانی جان کا آپﷺنے کتنا احترام بتایاہے؟ اس کا اندازہ ان احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان میں اگرچہ مسلمان کا تذکرہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی سزا بیان کی گئی ہے، کسی غیر مسلم کو قتل کرنے کی یہ سزا نہیں ہے۔ ایسی تمام حدیثیں جن میں کسی مسلمان کا تذکرہ ہو، ان کے بارے میں محدثین کہتے ہیں :ذِكرُ المُسلِمِ غَالِبِيّ، یعنی اللہ کے رسولﷺنے جس معاشرے میں یہ باتیں کہی ہیں اس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، اس لیے آپ نے مسلمان کا تذکرہ کیا، ورنہ جتنا جرم عمل کسی مسلمان کو قتل کرنا ہے اتنا ہی گھناؤنا اور قابل جرم عمل کسی بے قصور غیر مسلم کو قتل کرنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی بھی صراحت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺکا ارشاد ہے:

الا من قتل نفسا معاهدة له ذمة الله وذمة رسولة فقد اخفر بذمة الله فلا يرح رائحة الجنة وإن ريحها لتُوجد من مسيرة سبعين خريفًا[27]

جس نے کسی ایسے ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺکی پناہ حاصل تھی تو اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا، لہٰذا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت (دوری) سے آئے گی۔

6۔والدین کی فرمابرداری کے اصول

اسی طرح رسول ﷺنے شخصی اصلاح کے لیے والدین کے حقوق کے لیے بھی اصول بیان فرمائے ۔ اللہ کے رسولﷺکا ارشاد ہے:

---

[25]قشیری، الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب الصحبۃ الممالیک، ج:2، ص:62، رقم الحدیث:4306

[26]الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی تشدید قتل المومن، ج:1، ص:391، رقم الحدیث 1355

[27]الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فیمن یقتل نفسا معاھدا، ج:1، ص:391، رقم الحدیث 1364

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيكُم عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ و وَأدَ البَنَاتِ[28]

"اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیاہے کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو، اسی طرح اس نے تم پر یہ بھی حرام کیاہے کہ تم لڑکیوں کو زندہ درگور کرو۔"

7۔جان، مال اور آبرو کے تحفظ کا اصول

ایک دوسرا حق عزت و آبرو کا ہے۔ کسی کو کسی کی عزت سے چھیڑچھاڑ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں اللہ کے رسول ﷺنے اعلان فرمایاتھا: اے لوگو! بتاؤ، آج کون سا دن ہے؟یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ کون سا شہر ہے؟ہر سوال کے جواب میں صحابۂ کرام نے فرمایا : یہ محترم دن ہے، یہ محترم مہینہ ہے، یہ محترم شہر ہے ۔تب آپﷺنے فرمایا:

فانَّ دِمَاءَ كُم وَأموَالَكُم وَأعرَاضَكُم عَلَيكُم حَرَامٌ كَحُرمَةِ يَومِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا[29]

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن، یہ شہر اور یہ مہینہ حرام ہے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺنے فرمایا:

بَايِعُوْنِی عَلٰی أنْ لاَ تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئاً وَلاَ تُسْرِقُوا وَلاَ تَزْنُوا[30]

"مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کروگے، کسی کا مال چوری نہ کروگے، کسی کے ساتھ بدکاری نہ کروگے۔ "

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپﷺنے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَہ مَظْلِمَةٌ لِأحَدٍ مِّنْ عِرْضِہ أوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْہَ مِنْہُ اليَوْمَ، قَبْلَ أنْ لَايَكُوْنَ دِينَارٌ وَلَادِرْهَمٌ، إنْ كَانَ لَہ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنہُ بِقَدْرِ مَظلِمَتِہ، وَإنْ لَمْ تَكُنْ لَہ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّءآتِ صَاحِبِہ فَحُمِلَ عَلَيہ[31]

"جس شخص نے کسی کی عزت وآبرو یا کسی اور تعلق سے کسی پر زیادتی کی ہو تو وہ آج ہی اس سے اپنے آپ کو پاک کرلے، یعنی اس سے معافی مانگ لے، اس دن سے قبل جب دینار و درہم کام نہیں آئیں گے، بلکہ اس شخص کے نیک اعمال اس شخص کو دے دیے جائیں گے جس پر اس نے کسی طرح کی زیادتی کی ہوگی اور اگر اس کے نیک اعمال ختم ہوگئے تو اس شخص کی برائیاں اس پر لاد دی جائیں گی اور اس کو جہنم میں ڈال دیاجائے گا۔"

8۔نجی زندگی کے تحفظ کا اصول

ایک اہم اصول جو بہت زیادہ پامال ہوتاہے وہ ہے نجی زندگی کے تحفظ کا اصول ہے۔ کسی شخص کو کسی کی جاسوسی کرنے کا حق نہیں ہے، کسی کی نجی زندگی میں جھانکنے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی برائی کررہاہے تو کسی بھی تدبیر سے اس برائی کو ریکارڈ کرنے اور اس کو عوام میں پھیلانے کا حق نہیں ہے۔ یہ بات قرآن میں کہی گئی ہے:

---

[28] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، باب ماینھی عن اضاعۃ المال، ص:423، رقم الحدیث:2408

[29] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناسک، باب الخطبۃ ایام منی، ص:322، رقم الحدیث:1741

[30] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب الحدود کفارہ، ص:536، رقم الحدیث:6784

[31] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلۃ، ص:460، رقم الحدیث:6307

وَلَا تَجَسَّسُوْا[32]

"اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو۔"

یہ بات اللہ کے رسولﷺکی احادیث میں بھی بار بار آئی ہے۔

اطلع رجل من جحر في حجر النبي ﷺ، ومع النبي ﷺمدری یحك به راسه، فقال:" لو اعلم انك تنظر، لطعنت به في عينك، إنما جعل الاستئذان من اجل البصر[33]"

"ایک شخص نے نبی کریم ﷺکے کسی حجرہ میں سوراخ سے دیکھا، نبی کریم ﷺکے پاس اس وقت ایک کنگھا تھا جس سے آپ سر مبارک کھجا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺنے اس سے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا (اندر داخل ہونے سے پہلے) اجازت مانگنا تو ہے ہی اس لیے کہ (اندر کی کوئی ذاتی چیز) نہ دیکھی جائے۔"

ہر انسان پر بحیثیت فرد لازم ہے کہ ان اصول و ضوابط کی پاسداری کرے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، آقا ہو یا غلام، چاہے وہ جس سماجی حیثیت کا مالک ہو، اللہ کے رسولﷺنے اس چیز کی ضمانت دی ہے کہ اس کے تمام بنیادی حقوق ادا کیے جائیں اور اس میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی جائے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں آپﷺنے پہلے سورۃ حجرات کی تلاوت کی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَىٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَقَبَائلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقٰكُم[34]

"لوگو!ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیداکیااور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تمہارا ایک دوسرے سے تعارف ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔"

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنثَى وَ جَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَكُمْ فَلَيْسَ لِعَرَبِي عَلَى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِي، وَلَا لأَسْوَدَ عَلَى أَبْيَضَ، وَلَا لَا بُيَضَ عَلَى أَسْوَدَ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوى[35]

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو مجھ پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔"

حدیث حجۃ الوداع کی معنویت، جامعیت اور عظمت کا احساس ہمیں اس وقت ہوگا جب اس زمانے کا عرب معاشرہ ہماری نگاہوں میں ہو۔ عرب اپنے آپ کو دنیا کی تمام مخلوقات سے برتر سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ ان کو' عجم' کہتے تھے۔ عجم کے معنیٰ ہوتے ہیں گونگاپھر عربوں میں بھی بعض قبیلے ایسے تھے جواپنے آپ کو برتر اور دوسرے قبیلوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر قریش کے لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے ۔ چنانچہ وہ حج کے دوران مزدلفہ تک ہی جاتے تھے اور دوسرے لوگوں کو تمام مراسم کی ادائیگی کرنی پڑتی تھیدوسرے قبائل میں بھی اونچ نیچ کا تصور راسخ تھاجس معاشرے میں قبیلوں کے درمیان اتنی اونچ نیچ تھی، اس میں آپﷺنے اعلان کیا کہ کسی طرح کی کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ بحیثیت انسان تمام انسان برابر ہیں۔ یہ محض آپﷺکی تعلیمات ہی نہیں تھیں، بلکہ ان پر آپﷺنے عمل کرکے دکھایا۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپﷺنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا : بلال تم خانۂ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دو۔ روایات میں آتاہے کہ یہ منظر دیکھ کر

---

[32] الحجرات 12:49

[33] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستیذان، باب الاستئذان من اجل البصر، ص:449، رقم الحدیث:6241

[34] الحجرات 13:49

[35] والبیہقی، ابو بکر، شعب الایمان، فصل و مما یجب حفظا لسان منہ الفجر بالا بآء، مکتبہ شاملہ، ج:4، ص:289، رقم الحدیث:5137

بعض لوگوں کی قبائلی عصبیت بھڑک اٹھی ۔ ایک صاحب تو کہنے لگے: اچھا ہوا کہ اس منظر کو دیکھنے سے پہلے میرے باپ کا انتقال ہوگیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺنے ہر طرح کی جاہلی عصبیت اور اونچ نیچ کو ختم کیا۔

9.عوام الناس کا پیغامِ ہدایت سے آگاہی کا اصول

لیبلغ الشاهد الغائب، فإن الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه[36]

" سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔"

اس کے علاوہ بھی حضور ﷺنے زندگی کے ہر معاملے میں حلال و حرام کا اصول، صلح رحمی کا اصول، امانت ادا کرنے کا اصول، یتیم کے مال کی حفاظت کا اصول، دوسروں سے معاملات کے اصول وغیرہ ۔گویا کہ زندگی کے ہر ہر معاملے کے بارے میں رسول ﷺنے فرد کی اخلاقی اصلاح کے لیے اصول دئیے۔

نتائج

آخر میں محققہ اس جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتی ہے کہ حقوق انسانی کے چارٹر کی دفعات پر ہم تنقید کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو صرف خوبصورت نعرے ہیں، محض اعلانات ہیں، لیکن ان کے پیچھے قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پیش کرتے ہیں اور ان کے امتیازات بیان کرتے ہیںلیکن ہمارے لیے غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ اگر ہم بھی ان ارشادات اور تعلیمات کو مختلف مواقع پر صرف بیان کردیاکریں، ہماری زندگیوں میں ان کے اثرات نہ پائے جاتے ہوں تو گویا ہم بھی ان ارشادات کو خوب صورت نعروں کے انداز میں پیش کرنے والے ہوں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود بھی ان تعلیمات پر عمل کریں اوراپنی زندگیوں میں انہیں نافذ کریں۔ افسوس ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺکی ان تعلیمات پر عمل نہیں کیاجاتا اور ان کی حیثیت خوبصورت نعروں کی ہوکر رہ گئی ہے۔ تمام مسلم ممالک کا حال ہمارے سامنے ہے۔ ان میں انسانی حقوق کی جتنی پامالی ہورہی ہے اتنی غیر مسلم ممالک میں بھی نہیں ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے اور اللہ کے رسولﷺکی دی ہوئی ان تعلیمات پرعمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہی اصولوں پر عمل کرنے سے انسان کی فکری و اخلاقی تربیت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

خلاصۂ بحث

اس مقالے میں محققہ نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺنے عہدِ جاہلیت میں رائج سماجی و اخلاقی برائیوں کی اصلاح کس حکمت اور تدریج کے ساتھ فرمائی۔ تحقیق کے دوران یہ حقیقت سامنے آئی کہ آپ ﷺنے اصلاح کے لیے محض وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی نمونہ، اخلاقی تربیت اور تدریجی حکمتِ عملی کو بنیاد بنایا۔

اس تحقیق میں محققہ نے ظاہر کیا ہے کہ آپ ﷺنے انسانی برادری کو عدل، مساوات، عفو و درگزر، خیر خواہی اور حقوق العباد جیسے اصولوں پر استوار کیا۔ عہدِ جاہلیت کے رسوم، قبائلی عصبیت اور اخلاقی انحرافات کو بدلنے کے لیے آپ ﷺ نے اخلاقی تعلیمات کو معاشرتی ڈھانچے کا حصہ بنایا، جس کے نتیجے میں ایک ایسی معاشرت وجود میں آئی جو امن، رواداری اور اعلیٰ اقدار کی حامل تھی۔

تمام شواہد کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبوی ﷺاصولِ اصلاح نہ صرف اُس وقت کی انسانی سوسائٹی کے لیے ہدایت اور فلاح کا ذریعہ تھے بلکہ آج کے معاشرتی اور اخلاقی بحرانوں میں بھی راہنمائی کا کامل سرچشمہ ہیں۔ یہ اصول انسانی رویّوں میں توازن پیدا کرتے، سماجی ناانصافیوں کا خاتمہ کرتے اور ایسے ہمہ گیر اقدار فراہم کرتے ہیں جو جدید معاشروں کو امن، اعتدال اور پائیدار ترقی کی طرف رہنمائی دیتے ہیں۔

[36] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب قول النبی: "رب مبلغ اوعی من سامع"، ص:73، رقم الحدیث:68